R. No. 2186/57　　Regd. No. - L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

جلد ۲۶ - شمارہ ۴۵ | ایڈیٹر آل احمد سرور | یکم دسمبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

ہندی دوستوں سے ایک سوال

دستور کی دفعہ ۳۵۱ میں کہا گیا ہے :-

"یونین (مرکزی حکومت) کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ہندی کی اشاعت کو بڑھاوا دے اور اس طرح اسے ترقی دے کہ وہ ہندوستان کی مشترک تہذیب کے تمام عناصر کے لیے ذریعۂ اظہار کا کام دے سکے، نیز اس کی فطرت کو مجروح کیے بغیر اس میں ہندوستانی اور ہندوستان کی ان دوسری زبانوں کے جن کی صراحت آٹھویں شیڈول میں کی گئی ہے، الفاظ، اسالیب اور اصناف کو جذب کرکے اسے مالا مال کرے اس کے علاوہ جہاں ضروری یا مناسب ہو وہاں اپنے ذخیرۂ الفاظ کے لیے اولاً سنسکرت سے اور ثانیاً دوسری زبانوں سے کام لے۔"

اس دفعہ میں حسب ذیل نکات قابل غور ہیں۔

(۱) ہندی کی ترقی اس طرح ہونی چاہیے کہ وہ ہندوستان کی مشترک تہذیب کے تمام عناصر کے لیے ذریعۂ اظہار کا کام دے۔

(۲) ہندی کو ہندوستانی کے الفاظ، اسالیب اور اصناف کو جذب کرنا چاہیے۔

(۳) ہندی کو ان تمام زبانوں سے بھی اس سلسلے میں مدد لینی چاہیے جن کا ذکر آٹھویں شیڈول میں کیا گیا ہے۔

(۴) اپنے ذخیرۂ الفاظ کے لیے اسے پہلے سنسکرت سے اور پھر دوسری ہندوستانی زبانوں سے مدد لینی چاہیے۔

افسوس کی بات ہے کہ اس دفعہ کی طرف ابھی تک پوری توجہ نہیں ہوئی ہے۔ ہندی کی اب تک جس طرح ترقی ہوئی ہے اس میں ہندوستان کی مشترک تہذیب کے تمام عناصر کے مفاد کا خیال نہیں رکھا گیا۔ نہ ہندی نے ابھی تک ہندوستانی سے مناسب فائدہ اٹھایا ہے، بلکہ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر ہندوستانی الفاظ اور اسالیب سے پہلو تہی کر رہی ہے پھر یہ بھی سچ ہے کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں سے الفاظ وغیرہ جذب کرنے میں بڑے بخل سے کام لیا جا رہا ہے۔ اپنے ذخیرۂ الفاظ کے لیے موجودہ سرکاری ہندی سنسکرت سے تو مدد لیتی ہے مگر دوسری ہندوستانی زبانوں سے مدد لینے کا کوئی ثبوت ابھی تک نہیں ملا۔ ہندی کی آمریت کی جنوبی ہند میں اور بعض سنجیدہ حلقوں میں جو مخالفت ہو رہی ہے اس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ اب تک دستور کی اس دفعہ پر دھیان نہیں دیا گیا اور ہندی کو سنسکرت کے تت سم الفاظ سے روز بروز گراں بار کیا جا رہا ہے۔

اخبار اسٹیٹسمین (۲۵ نومبر) میں مسٹر . پی . مایا داس کا ایک مضمون شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے ہندوستانی کی پر زور وکالت کی ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ انڈو یورپین زبانوں میں مفرد الفاظ کو استعمال کرنے کا خاص رجحان ہے اور اس وجہ سے اس خاندان کی کئی زبانیں مثلاً انگریزی، فارسی اور ہندوستانی لنگوا فرینکا بننے کی خاص صلاحیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے ہندی والوں کی اس روش کی مذمت کی ہے کہ وہ عام فہم الفاظ کی جگہ جو سارے ملک میں سمجھے جاتے ہیں، ناقابل فہم سنسکرت الفاظ استعمال کر رہے ہیں، یہاں تک کہ صوتی تبدیلی کے قوانین کو پس پشت ڈال کر شہروں کے ناموں کو بھی سنسکرت روپ دیا جا رہا ہے۔ انگریزی جس طرح دھڑلے سے دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار لیتی ہے یا ان کو اپنے اندر داخل کر لیتی ہے، اس سے ہمیں سبق لینا چاہیے کیونکہ یہی اس کے عالمی زبان بننے کا خاص سبب ہے ہندوستانی میں بھی یہ صلاحیت ہر طرح موجود ہے، دوسرے ان کی بنیادی انگریزی کی طرح اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس کی گرامر ایک پوسٹ کارڈ پر لکھی جا سکتی ہے اور دوسرے یہ زیادہ تر ایک حلیبل کے یا مفرد الفاظ کا استعمال کرتی ہے۔ مسٹر مایا داس کا مشورہ یہ ہے۔

(۱) ہندوستانی کی مخصوص اصلاح ان خطوط پر جن کی نشاندہی ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے کی ہے۔

(۲) سنسکرت سے آنکھ بند کرکے الفاظ لینے کے بجائے انگریزی کی طرح عام الفاظ مستعار لینے کی روش کو اپنانا۔

(۳) سائنس کی اصطلاحات کو کچھ تو ہندوستانی سے لینا اور کچھ دوسری زبانوں مثلاً انگریزی یا فارسی سے اگر ان الفاظ کا چلن زیادہ ہو یا پھر آخر میں سنسکرت سے۔

ضرورت ہے کہ مسٹر باباؤ اس کی سفارشوں پر سنجیدگی سے غور ہو۔ ہندی زبان جب تک چلن کا ساتھ نہیں دے گی، ہماری مشترک تہذیب کے تمام عناصر کو جذب نہیں کرے گی ہندوستانی سے مدد نہیں لے گی اور تمام جدید ہندوستانی زبانوں سے اثر قبول نہ کرے گی، اس وقت تک سارے دیس کے لیے قابل قبول نہیں ہو پائے گی اس لیے گاندھی جی کے زبان کے سلسلے میں خیالات کو اور عام کرنا چاہیے۔ گاندھی جی جس ہندی یعنی ہندوستانی کے قائل تھے وہ یہی عام فہم زبان تھی۔ اسے آپ چاہے کسی نام سے یاد کریں، مگر جب تک اس کو اپنایا نہ جائے گا اس وقت تک ہندی کو سارے ملک میں مقبولیت حاصل نہ ہو سکے گی۔

گاندھی سینٹری کے سلسلے میں اردو کے ادیبوں اور دانشوروں کی ایک کمیٹی کا قیام

گاندھی جی کی سینٹری منانے کے لیے جو قومی کمیٹی قائم کی گئی ہے اس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ اور مجلس عاملہ کی صدر شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہیں۔ اس کے سکریٹری شری دیواکر ہیں۔ اس کمیٹی نے جو گاندھی جی کی تعلیمات پر بڑے پیمانے پر لٹریچر شایع کر رہی ہے، ایک ذیلی کمیٹی اردو میں گاندھی جی کے خیالات کو عام کرنے کے لیے حال میں بنائی ہے۔ کمیٹی کے صدر پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن ترقی اردو ہند ہیں اور نائب صدر ڈاکٹر عابد حسین۔ ممبروں میں پروفیسر محمد مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ، پروفیسر آل احمد سرور صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، جناب گوپی ناتھ امن، بیگم سلطانہ حیات اور جناب احمد ناظمی ہیں۔ سکریٹری جناب اوم پرکاش نگم مقرر ہوئے ہیں۔ کمیٹی خاص طور پر گاندھی جی کے خیالات، اتحاد، عدم تشدد اور زبان کے متعلق یکجا کرکے شایع کرے گی۔ اس کے علاوہ گاندھی جی کی تصانیف کے سستے اور اچھے اڈیشن بھی ناشروں کی مناسب مدد کرکے شایع کرے گی۔

(نامہ نگار)

برطانیہ میں پولیس والوں کو اردو سیکھنے کی ہدایت

برطانیہ۔ مقامی پولیس والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اردو سیکھیں ان کے ایک ترجمان نے یہ انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں ہند اور پاکستان سے اگرچہ بہت سے لوگ آباد ہوئے ہیں جو اردو بولتے ہیں ان سے سیدھی سادی بات پوچھنے کے لیے ترجمان کی مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

(قومی آواز)

غالب صدسالہ تقریبات کمیٹی کی مجلس عاملہ کے ممبران کا انتخاب

لکھنؤ۔ غالب صدسالہ تقریبات کمیٹی نے کل ہند غالب صدسالہ تقریبات کمیٹی کے مشورے سے تقریب کا مفصل پروگرام تیار کرنے کے لیے حسب ذیل افراد پر کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ ممبر پارلیمنٹ پنڈت آنند نرائن ملا، مولانا خیر بہوردی، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر راجندر ادستی، ڈاکٹر ایم۔ اے رضوی، لفٹننٹ کرنل ڈی۔ آر۔ موہن اور جناب پی۔ ایس سیٹھی (کنوینر) غالب صدسالہ تقریبات کمیٹی کی مجلس عاملہ کے لیے حسب ذیل ممبران منتخب کیے گئے۔

جناب آر بیبن ایم۔ ایل۔ اے (دیوریا)، پروفیسر احتشام حسین (الہ آباد)، پروفیسر مسعود الحسن رضوی (لکھنؤ)، جناب آل احمد سرور (علی گڑھ)، جناب محمود الٰہی زخمی (گورکھپور)، جناب مقبول احمد لاری (لکھنؤ)، پروفیسر حکیم چند نیر (بنارس)، جناب نورالحسن ہاشمی (لکھنؤ)، ڈاکٹر ایم۔ اے رضوی (کانپور)، لفٹنٹ کرنل ڈی۔ آر موہن (لکھنؤ)، جناب بخش اکبرآبادی (آگرہ)، پنڈت آنند نرائن ملا (لکھنؤ)، جناب امتیاز علی عرشی (رامپور)، جناب پی۔ ایس سیٹھی (لکھنؤ)، جناب ایم آر شیروانی (الہ آباد)، مولانا خیر بہوردی (بلیا)، جناب بھگوتی چرن ورما (لکھنؤ)، بیگم اعزاز رسول (سندیلہ)، جناب رام گوپال (لکھنؤ)، جناب بشیر داس ایم۔ ایل۔ سی (میرٹھ)، ڈاکٹر راجندر ادستی (لکھنؤ)، سردار اندر سنگھ (کانپور)، جناب ٹھاکر پرشاد سنگھ (لکھنؤ)، جناب نظیر بنارسی (بنارس)، جناب نرولی سنگھ (لکھنؤ)، ڈاکٹر خورشید الاسلام (علی گڑھ)، ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی (لکھنؤ) اور جناب حامد قریشی (دیوریا)

(قومی آواز)

نئی شاعری کا انتخاب "نئے نام" شایع ہوگیا

الہ آباد۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ نئی شاعری کا انتخاب "نئے نام" شایع ہو گیا ہے۔ اس انتخاب کو اردو کے بالغ نظر نقاد و شاعر جناب شمس الرحمٰن فاروقی اور نوجوان شاعر حامد حسین حامد نے مرتب کیا ہے۔ ابتدا میں 'ترسیل کی ناکامی کا المیہ' کے عنوان سے شمس الرحمٰن فاروقی کا خیال انگیز مضمون اور حامد حسین حامد کا مختصر دیباچہ شامل ہے اس انتخاب میں ۱۹۶۰ء کے بعد کی شاعری کے اہم رجحانات کی نمائندگی کا خیال رکھا گیا ہے۔ کتابت اور طباعت اچھی ہے گردپوش خوبصورت ہے۔ یہ کتاب ۴ روپے میں شبخون اشاعت گھر ۳۱۳ رانی منڈی الہ آباد سے مل سکتی ہے۔

(نامہ نگار)

کوکب قدر سجاد علی مرزا

بیگمات اودھ کے خطوط کا تاریخی پس منظر

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ صحیح ہے" لکھ کے نادم صاحب نے نہ معلوم کس کے بیان کی توثیق بہم پہنچائی ہے کیونکہ یہی بات تو غلط ہے اور اس لیے غلط ہے کہ جس طرح صرف بیگمات واجد علی شاہ کو بیگمات اودھ نہیں کہا جا سکتا اسی طرح خطوں کو صرف بیگمات واجد علی شاہ سے نسبت دینا اور دیگر شرفائے لکھنؤ تو کیا خود بیگمات غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر وغیرہ کو فراموش کر دینا بالفاظ دیگر اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔ مفتی انتظام اللہ شہابی نے "اپنے مجموعے" کا یہی نام رکھا ہے لیکن اس مجموعے کے تمام خط واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے درمیان "سلسلۂ مراسلت" کے نہیں ہیں اور ان کی اسم نویسی سے یہ کب ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نام صحیح بھی ہے۔ نادم صاحب نے سلسلۂ مراسلت قائم کرنے کے لیے ضروری سمجھا کہ واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کو الگ الگ شہروں میں مقیم دکھایا جائے اور چونکہ واجد علی شاہ کے کلکتے جانے سے پہلے یہ صورت اتنی نمایاں نہیں ہوئی تھی اس لیے خود ہی فرض کر لیا کہ اگر کبھی ایسا ہوا ہوگا تو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ شرر نے جن ڈیوڑھیوں پر شاہوں اور ادیبوں کے جگمگٹ دیکھے وہ لکھنؤ کی ڈیوڑھیاں نہیں تھیں، مٹیا برج کی محلسرائیں تھیں کہ جب بادشاہ برسر حکومت نہ تھے اور یہ سلسلۂ مراسلت اس لیے قائم تھا کہ کسی بادشاہ کی بیگم کہلانا اور بات تھی اور اس کے حضور میں بغیر روک ٹوک حاضر ہو جانا ایک ایسا اختیار تھا جو خاص خاص بیگمات کو بھی حاصل نہ تھا۔ سلسلۂ مراسلت کا پتہ چلانے کے لیے کسی بادشاہ کے اخبار نویس کا روزنامچہ مفید معلومات مہیا کر سکتا ہے اور اگر وہ نہ ملے تو خود واجد علی شاہ کا عشق نامہ اور دوسرے سوانح اور وہ بھی دستیاب نہ ہوں تو بیگمات واجد علی شاہ سے بہت پہلے بادشاہ بیگم جیسی جلیل القدر بیگم کا بی جینی جھٹی نویسی کو طلب کرنا اور پچاس روپے ماہوار پر "چٹھی نویسوں" میں نوکر رکھنا خواجہ عشرت کی زبانی رسالہ زمانہ دسمبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔ اگر خواجہ عشرت کا بیان غلط نہیں تو بیگمات اودھ خطوں کے ذریعے اس زمانے میں عرض مدعا کرتی تھیں جب بیگمات واجد علی شاہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ اس میں کسی انقلاب کے رونما ہونے کی شرط نہیں تھی اور نہ ہی کسی انقلاب نے ان کے ادبی رنگ کو نکھارا۔

(۲) "تاریخی پس منظر" میں نادم صاحب نے کئی باتیں بیان کی ہیں۔ پہلی بات سلسلۂ مراسلت کا آغاز ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں فروری ۱۸۵۶ء سے آغاز کا حساب کیا گیا تھا کیونکہ نادم صاحب کے علم میں واجد علی شاہ اسی مہینے میں لکھنؤ سے رخصت ہوئے۔

(الف) "فروری ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ چھوٹنے کے بعد مرتے دم تک جان عالم کو پھر لکھنؤ کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔" نقوش، ایضاً ص۲۲

(ب) "فروری ۱۸۵۶ء میں جان عالم کے کلکتے سدھارنے کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (نقوش، ایضاً ص۱۰۵)

اپنے مضمون میں اس طرح دو جگہ فروری کے مہینے پر زور دیا ہے اور ایک جگہ کچھ زیادہ جستجو سے کام لیا ہے لیکن حوالے کی ضرورت یہاں بھی محسوس نہیں کی:

"جان عالم اور ان کی بیگمات کے درمیان سلسلۂ مراسلت کا آغاز اس وقت سے ہوا جب دو مہینے آٹھ دن (۱۳ مارچ ۱۸۵۶ء - ۲ مئی ۱۸۵۶ء) کی طول طویل مسافت طے کر کے جان عالم سوتی کھوے مٹیا برج، کلکتہ پہنچے"

(نقوش، ایضاً ص۱۰۱)

افسوس کہ نادم صاحب کے یہ سب بیانات ناقص ہیں۔ کم سے کم ان اہم تاریخوں کے تعین میں تو غلطی نہ ہونا چاہیے تھی۔ ۱۳ مارچ ۱۸۵۶ء آٹھ بجے رات کو واجد علی شاہ لکھنؤ سے روانہ ہوئے[1] اور پورے دو مہینے کے بعد ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء کی دوپہر کو کلکتے پہنچے[2]۔ لکھنؤ سے کلکتے تک کی مسافت اس زمانے میں دو مہینے آٹھ دن کی نہیں تھی لیکن جب مسافر ایک مہینہ ایک جگہ اور پندرہ دن دوسری جگہ قیام کرتا ہوا آگے بڑھے تو اس سے زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔

(۳) سلسلۂ مراسلت کا آغاز واجد علی شاہ کے لکھنؤ سے رخصت ہوتے ہی ہو گیا ہو یا ان کے کلکتے پہنچنے پر ظہور میں آیا ہو، نادم صاحب کا بیان ہے کہ:

"اس اسلوب مکتوب نگاری کو اس عہد کے دوسرے قلم کاروں نے بھی اپنانے کی کوشش کی اور ایک زمانے میں جان عالم کے نام خطوط لکھنے کا رواج ایسا عام ہو گیا کہ آئے دن لکھنؤ سے درجنوں خطوط مٹیا برج پہنچا کرتے تھے اور جان عالم اس اجڑے دیار دلکشی کے اشتیاق ناموں کو پڑھ کر اپنا غم غلط کیا کرتے تھے:

نقوش، ایضاً ص۲۶

الفاظ وادین اور توضیحین وغیرہ کے گورکھ دھندے میں مضمون خلط ملط ہو جاتا ہے اور خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ مضمون نگار کہنا کیا چاہتا ہے۔ فروری ۱۸۵۶ء سے سلسلۂ مراسلت کا آغاز شمار کرنے کے سبب مضمون نگار کا مقصد اگر یہ ہے کہ لکھنؤ سے واجد علی شاہ کے رخصت

---

[1] قیصر التواریخ / مومنٹ ان اتر پردیش، اطہر عباس رضوی، مطبوعہ حکومت اتر پردیش، جلد ۱ ص۱۰۹

[2] اخبار اسٹیٹس مین (کلکتہ) مورخہ ۲۳/۹/۱۸۸۷ء بحوالہ اخبار انگلش مین مورخہ ۱۳/۵/۱۸۵۶ء (انگلش مین ہی اسٹیٹس مین کا قدیم نام ہے جب وہ سری رامپور سے نکلتا تھا)۔

ہوتے ہی بیگمات اور خاص دعام نے بادشاہ کو خط لکھنا شروع کر دئے تو خاص دعام کا خط لکھنا اور وہ بھی اردو میں سند کا متقاضی ہے، اور بیگمات کا خط لکھنا اگرچہ بغیر سند کے بھی قرین اعتبار ہے اور ہم نادم صاحب کے اس بیان کو بسر و چشم قبول کر لیتے اگر ہمارے پیش نظر خود اس شخص کا بیان نہ ہوتا جسے آئے دن درجنوں خط لکھے جاتے تھے۔

"نواب شیدا بیگم صاحبہ کو جان عالم کی طرف سے
معلوم ہو پانچ مہینے کا زمانہ منقضی ہوتا کہ اصلاً تمہارے
مزاج کی خیر و عافیت سے ہم آگاہ نہیں، طبیعت بہت
مشوش رہتی ہے، خدا جانے میں نے تم صاحبوں کی
کون سی تقصیر کی تھی آن تک بیگموں بھر میں سے کسی نے
ایک پرچہ نہ لکھ کر بھیجا، رحم کر کے مفصل اپنی طبیعت کا
حال لکھ کر بھیجو کہ جی لگا ہوا ہے اور حمل کا بھی حال لکھ
بھیجو کہ ہے یا نہیں۔ اس میں کچھ نقصان نہیں اور یہ
بھی لکھنا کہ کیا سبب جو آج تک تم نے اپنے مزاج
کی خبر نہ لکھی، راقم جان عالم مصیبت زدہ، دوم ذی قعدہ
۱۲۷۲ھ"[1]

۲ ذیقعدہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۵ جولائی ۱۸۵۶ء[2] کا مندرجہ بالا خط موجود ہے۔ اس خط کے پیش نظر کیا یہ کہا جا سکتا ہے۔

"..... کہ یہ طرز انشا پردازی اس قدیم فن انشا کا احیا تھا جس کے خلاف پہلا قلمی جہاد غالب شروع کر چکے تھے۔" نقوش، ایضاً ص ۱۰۱

(۳) نادم صاحب کی تحقیق ہے:

"مٹیا برج کے زمانہ قیام میں کچھ مخصوص محلات بادشاہ کے ساتھ ضرور تھے لیکن زیادہ تر بیگمات لکھنؤ میں رہ گئی تھیں۔" نقوش ایضاً ص ۱۰۲

میں نے تحقیق کا لفظ اس لیے لکھا کہ نادم صاحب نے اس بیان کی سند میں قیصر التواریخ سے ایک طویل اقتباس بھی پیش کیا ہے، لیکن اول تو قیصر التواریخ کا بیان اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب بادشاہ لکھنؤ میں تھے اور بیگمات کو عام اجازت تھی کہ انقلاب زمانہ کے سبب جس کو ساتھ چھوڑنا منظور ہو چھوڑ دے اور جسے "دولت سرائے شاہی" میں قیام منظور ہو رہے۔ اسی اقتباس میں صاحب قیصر التواریخ کا بیان ہے اکثر "بدبختیں چلی گئیں"، اور جب چلی گئیں تو لکھنؤ میں رہیں یا کہیں اور گئیں بادشاہ کا ان سے تعلق ہی کیا باقی رہا تھا جو "اشتیاق نامے" لکھتیں۔ دوسرے مٹیا برج کا زمانہ قیام خود نادم صاحب کی تحقیق میں ستمبر ۱۸۸۷ء تک تیس[3] برس کا ہے "جب واجد علی شاہ کلکتے میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔" اس زمانہ قیام میں ۱۸۵۸ء کے بعد لکھنؤ کے "دولت سرائے شاہی" پر بادشاہ کا اختیار ہی کیا باقی رہا تھا جس میں نمک کھنوں کو سو روپے ماہوار "اکل و شرب" کے لیے ملتے تھے۔ بیگم کا اپنے خاوند کو تیس[3] بتیس[3] برس چھوڑ کر تجرد کی زندگی بسر کرنا قرین اعتبار ہو جب بھی اودھ پنشن پیپرز نامی مطبوعہ رپورٹ پنشن آفس کے کاغذات اور کلکتے کے قبرستانوں کے رجسٹر بڑی بیدردی سے ان بیانات پر خط کھینچ دیتے ہیں جن کی اساس نہ منطق ہے اور نہ تحقیق۔

(۵) نادم صاحب کو تاریخ غزالہ کے شایع ہونے کی اطلاع ہے لیکن وہ اس مجموعے کا ذکر تاریخ غزالہ کے ذکر سے الگ "ایک قلمی مجموعے" کے حوالہ سے قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسے:

"خود غزالہ بیگم نے مرتب کیا تھا، چنانچہ کتاب پر
۵ جمادی الاول ۱۲۷۶ھ تحریر ہے۔ آخر میں غزالہ بیگم
کا قطعہ تاریخ بھی ہے جس کے آخری شعر سے مادہ
تاریخ نکالا گیا ہے:

گفتیم غزالہ از پئے تاریخش
گلدستۂ بوستان معنی دیدیم

(نقوش، ایضاً ص ۱۰۶-۱۰۷)

نادم صاحب نے جن کو غزالہ بیگم لکھا ہے وہ تاریخ غزالہ کی ملکہ غزالہ ہیں اور اس تاریخ غزالہ کو واجد علی شاہ نے اپنی تالیف شمار کیا ہے[1]۔ تاریخ غزالہ کے ایک خط مورخہ ۸ شوال ۱۲۷۵ھ میں بادشاہ ان کے سن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"غضب اس کا چودہ برس کا ہے سن[2]"۔ اگر یہ بیان صحیح ہے اور ۱۲۷۵ھ میں وہ چودہ برس کی تھیں تو ۱۲۷۶ھ میں ان کی عمر ہی کیا ہوگی اور اس کمسنی میں خطوں کا مجموعہ مرتب کرنے اور اس کا دیباچہ اور قطعۂ تاریخ لکھنے کا سلیقہ بھلا کیا ہوتا جب کہ خطوط نویسی تک کے لیے وہ دوسروں کی محتاج تھیں۔

"اے غزالہ حسب فرمائش تمہارے علی جان شفق کو
ہم نے بیس روپے مہینہ کا نوکر رکھ کر تمہاری خطوط نویسی
کے واسطے مقرر کیا[3]"

نادم صاحب چاہتے تو اسی تاریخ غزالہ سے واجد علی شاہ کی خطوط نویسی سے متعلق کئی مفید باتیں معلوم کر سکتے تھے لیکن عجب لطف یہ کہ لوگ واجد علی شاہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں باوجودیکہ شبہ کرنے کا کوئی معقول سبب موجود نہیں اور معمولی گمنام لڑکیوں سے عربی فارسی کے رنگ میں رچی ہوئی انشا پردازی بے تکلف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ داخلی، خارجی، عقلی، تاریخی تمام شہادتیں ان بیانات کے خلاف مستحکم گواہ ہیں۔ (باقی)

---

[1] ادب کا مقصد، مولفہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ص ۱۶۵

[2] مطابق تقویم ہجری و عیسوی مطبوعہ انجمن ترقی اردو (ہند)

[1] ایضاً ص ۲۳-۲۳۱

[2] تاریخ غزالہ ص ۲۹

[3] تاریخ غزالہ ص ۲۵-۲۴

آدمی

عرش صہبائی

صاحب علم و ہنر ہے آدمی   محرمِ شمس و قمر ہے آدمی

ق

حیف اک نانِ جویں کے واسطے   سر بہ سجدہ در بہ در ہے آدمی
دونوں عالم کی خبر رکھتا ہے یہ   اور خود سے بے خبر ہے آدمی
دوسروں کے غم سے بے بہرہ مگر   صاحبِ قلب و نظر ہے آدمی
آدمیت کا نہیں کچھ اس کو پاس   کس قدر شوریدہ سر ہے آدمی
اس کی ہستی ایک مشتِ خاک ہے   سرگراں کس بات پر ہے آدمی
خوں ریزی اس کی فطرت ہے مگر   دیکھنے میں بے ضرر ہے آدمی

عرش پر ہے رات دن اس کا دماغ
خود پہ نازاں کس قدر ہے آدمی

ناخدا

شمیم انور غازی پوری

خدا
ایک ناخدا ہے
کشتیٔ افلاک پر بیٹھا جو بحرِ بے کراں میں وقت کے یونہی رواں ہے اپنی کشتی پر
خلا کا بادباں کھولے
نہ جانے کون سے ساحل کی جانب جا رہا ہے
اور اپنے دستِ قدرت سے
گرائے جا رہا ہے ریت صدیوں کی
یہ اس کا مشغلہ کیا ہے
چلا ہے وہ کہاں سے اور جائے گا کدھر کو
کون سمجھے گا
مگر
شاید
وہ اپنے مشغلے سے
(سوچتا ہے)
خشک کر دیگا سمندر وقت کا
اک دن اسی سطحِ سمندر پر
اسے مل جائے گا ساحل

رباعی

کرشن موہن

وابستگیٔ فکر ہے معیوب مجھے   اب رنگِ روایت نہیں مرغوب مجھے
جدت کی اداؤں کا پرستار ہے دل   اندازِ بغاوت کے ہیں محبوب مجھے

غزلیں

اسما سعیدی

دلِ شادماں ہے خود اک چمن دلِ شادماں کی تلاش ہے
نہ بہار کی ہمیں جستجو نہ ہمیں خزاں کی تلاش ہے
نہ حرم کی ہم کو تلاش ہے نہ تلاش ہم کو ہے دیر کی
تری جستجو کی قسم ہمیں ترے آستاں کی تلاش ہے
یہ بہار باغ و فضائے گل ہمیں کر سکیں گی نہ مطمئن
جو رہے شگفتہ و بے خزاں اُسی گلستاں کی تلاش ہے
نہ کرم زمانے کا چاہیے نہ عنایتیں نہ نوازشیں
ہیں جفائیں جس کی ہمیں عزیز اسی جانستاں کی تلاش ہے
نہ ہمیں ضرورتِ مہر و مہ نہ بہشت و خلد سے واسطہ
جو بنائے خلد یہ سرزمیں اُسی باغباں کی تلاش ہے
جو دلوں میں نور کو بھر سکے جو ہمارے ذہن جگا سکے
وہی نغمہ چاہیے بس ہمیں اسی نغمہ خواں کی تلاش ہے
کوئی در پسند نہ آ سکا نہ جھکا ہمارا یہ سر کہیں
کہ سرِ نیاز کو ہے تو بس ترے آستاں کی تلاش ہے
جسے منزلوں کی ہوس نہ ہو جسے آرزوئے جرس نہ ہو
اسی ہمسفر کی ہے جستجو اُسی کارواں کی تلاش ہے
یہ غمِ جہاں بھی ہے کوئی غم، غمِ دو جہاں بھی ہے کوئی غم
غمِ عشق ہے غمِ جاوداں، غمِ جاوداں کی تلاش ہے
تری راہ تو ہے وہ کہکشاں کہ ہے رشک کاہکشاں کو بھی
تری راہ سے جو بھٹک گئے انھیں کہکشاں کی تلاش ہے

رقیہ موسوی

کانٹوں کو بھی چمن کے دعویٰ ہے دلبری کا
ہے پُر فریب کتنا، گلزار زندگی کا
آنکھوں کی خیرگی کا، ہے احترام لازم
ورنہ یہ روزِ روشن، ہوتا ہے کب کسی کا
اپنا لباسِ ہستی ہے چاک چاک لیکن!
سینے چلے ہیں دامن، پھولوں کی پنکھڑی کا
آواز پا ہے اس کی، دھڑکن دلوں کی چپ ہے
خاموش پتھر دل کا، نقشہ ہے زندگی کا
تم حال میرے دل کا، کیا مجھ سے پوچھتے ہو
اجڑا ہوا ہو جیسے، صحرا میں گھر کسی کا
اس روشنی کی ہم کو، دن رات جستجو ہے
ڈھا دے جو اک نظر میں، ایوان تیرگی کا
اتنے فریب کھائے ہیں، روشنی کے محوری
یاد آ رہا ہے آخر، احسان تیرگی کا

مراسلات

سرکاری ــــ علاقائی ــــ ثانوی

پچھلے چند ماہ میں اردو تحریک نے کافی زور پکڑا ہے۔ ملک کی اردو تنظیمیں اپنے اپنے علاقوں میں اردو زبان کے حقوق کی بازیابی کے لیے کوشاں ہیں بعض فرقہ پرست سیاسی جماعتیں اردو کی عظمت و اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی حمایت کر رہی ہیں۔ انگریزی پریس نے بھی اردو کے سوال کو بعض حقائق کی روشنی میں اٹھایا ہے۔ صوبۂ بہار میں مصلحتاً بعض اندیشوں کی بنا پر وعدوں کے باوجود اردو کے سوال کو دبا دیا گیا ہے۔ اترپردیش کی حکومت بھی ٹال مٹول کر رہی ہے لیکن اس کے اضلاع میں تحریک جاری ہے۔ مرکزی حکومت نے فرقہ پرستوں کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر خاموشی اختیار کر لی ہے۔ بہرحال اردو کو بعض ریاستوں میں اس کے جائز حقوق دلانے کے لیے ملک میں بےچینی بھی ہے اور بیداری بھی اور اردو تحریک ایک ایسے موڑ پر آ چکی ہے کہ اگر جلد منظم اور بھرپور کوشش کی جائے، اردو کی تمام بڑی شخصیتیں کھل کر سامنے آ جائیں اور سیاسی و غیر سیاسی دونوں حلقوں کے ترقی پسند عناصر کو ساتھ لے کر آگے بڑھا جائے تو کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔

اردو کے دانشوروں کے سامنے اس وقت بڑا سوال یہ ہے کہ ہمارا مطالبہ اردو کو سرکاری زبان بنانے کا ہو یا علاقائی یا ثانوی؟ یہ تینوں قانونی اور دستوری اصطلاحیں بہت الجھی ہوئی ہیں۔ دستور میں ان کے لیے ۳۴۵ اور ۳۴۷ کی دو دفعات ہیں۔ دفعہ ۳۴۵ کا تعلق دستور ساز اسمبلیوں سے ہے اور ۳۴۷ کا صدر جمہوریہ سے۔

اب جبکہ نئے سرے سے منظم طور پر ہمیں اپنے مطالبات پیش کرنے ہیں اردو حلقے دو رائیں رکھتے ہیں۔ کچھ "اردو سرکاری زبان" کے مطالبے کو ضروری اور صحیح سمجھتے ہیں اور کچھ "اردو علاقائی زبان" کے حق میں ہیں۔

بمبئی کی ایک حالیہ ملاقات (۹ اکتوبر ۷۶ء) میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے نائب صدر پنڈت آنند نرائن ملا نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ:-

"دفعہ ۳۴۷ میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ مرکزی حکومت یا صدر جمہوریہ کو یہ اختیار ہے کہ کسی علاقائی زبان کو کسی محدود علاقے یا ریاست میں مقررہ مقاصد کے لیے سرکاری طور پر استعمال کرنے کی حیثیت یعنی علاقائی زبان کی حیثیت دے سکتے ہیں۔ یوپی اور بہار میں چونکہ سیاسی کشمکش صوبائی سطح پر ہے اس لیے مخالف پارٹیاں اردو کے لیے دوسری سرکاری زبان کے درجے پر زور دے رہی ہیں تاکہ اس طرح زیادہ مقبولیت حاصل کی جائے۔ لیکن یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے میں کہتا ہوں کہ ہمیں "دوسری سرکاری زبان" کے لفظ پر زور نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ اردو کے لیے علاقائی زبان کا درجہ منظور کرانا چاہیے کیونکہ اس میں اور دوسری سرکاری زبان" کے حقوق میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔"

انجمن ترقی اردو (ہند) کے سرکاری اخبار "ہماری زبان" کی بالکل تازہ (۲۲ اکتوبر ۷۶ء) اشاعت میں "سرکاری زبان" پر یہ ان الفاظ زور دیا گیا ہے۔

"انجمن نے ۱۹۵۴ء میں صدر جمہوریہ کی خدمت میں بائیس لاکھ دستخطوں کے ساتھ جو یادداشت پیش کی تھی اس میں یہ مطالبہ تھا کہ اردو کو دفعہ ۳۴۷ کے تحت اترپردیش، بہار اور دلی میں سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ انجمن ترقی اردو ہند کے تمام ممبر اس مطالبے کے پابند ہیں۔ اگر کسی اخباری بیان میں کسی نے کچھ اور کہا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہماری زبان کے اداریوں میں عموماً طور پر انجمن کی سرکاری پالیسی کے مطابق اظہار خیال ہوتا ہے۔"

"علاقائی یا دوسری زبان کا لفظ چاہے کوئی کتنی ہی نیک نیتی سے استعمال کرے۔ دستور کے الفاظ سے اس کا جواز نہیں نکلتا۔"

"ہماری زبان" کے محولہ بالا اداریہ سے صرف دو ماہ پہلے یکم ستمبر ۷۶ء میں اسی اخبار کے اداریہ میں یہ بھی لکھا گیا تھا۔

"ہمیں ملا صاحب کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں ملا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ دوسری سرکاری زبان کے مطالبے کے معنی اول تو ہندی کی برابری کے لیے گئے ہیں اور دوسرے ریاست کے تمام کاموں کو ہندی کی طرح اردو میں کرنے کے۔ اس لیے دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ الجھن پیدا کرے گا اور اسی وجہ سے علاقائی زبان کا مطالبہ کرنا چاہیے، جسے منوانے میں آسانی ہوگی۔"

"انجمن نے یا کسی اردو جماعت نے یہ کبھی مطالبہ نہیں کیا کہ اردو کو ہندی کے برابر درجہ دیا جائے۔ انجمن نے دوسری زبان کا بھی مطالبہ نہیں کیا۔ انجمن نے دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بھی اُن اغراض کے لیے جن کا ذکر انجمن کی یادداشت میں ہے، سرکاری زبان تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ مطالبہ صدر جمہوریہ سے ہے کیونکہ دستور نے انہیں یہ اختیار دیا ہے اور معاملہ صرف اس کے اطمینان پر چھوڑا گیا ہے اور کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔"

"ہمیں ہندی سے کوئی بیر نہیں ہے، جہاں جہاں وہ سرکاری زبان ہے، ہم اس کی حیثیت کو خوشی سے اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے قبول کرتے ہیں۔"

"ہمیں لفظ سرکاری یا علاقائی سے کوئی اندھا لگاؤ نہیں ہے۔ اس وقت اردو دوستوں کو آم یا اہلی مرکزی

یا علاقائی کی اصطلاحوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے"

اس سے قطع نظر کہ "ہماری زبان" کے دونوں اداریوں کی روح اور مطالب میں خاصا تضاد ہے، ہم چاہتے ہیں کہ سرکاری اور علاقائی کی اصطلاحوں کے تیغ وطرد، ان کے سیاسی و غیر سیاسی اور سرکاری و غیر سرکاری اشکال و ابہام کو سمجھ لیں۔

۱۔ دستور میں جن ۱۴ زبانوں کو قومی زبان تسلیم کیا گیا ہے ان کے سب کے اپنے علاقے ہیں۔ اردو کو صرف کشمیر کا ایک علاقہ دیا گیا ہے۔

۲۔ پورے ہندوستان میں ہندی کو راشٹر بھاشا یا سرکاری زبان تسلیم کیے جانے کے بعد بقیہ ۱۳ زبانوں کے لیے عام طور پر "علاقائی زبانیں" کا لفظ استعمال ہوتا رہا ہے۔ بیشتر زبانیں اپنے اپنے علاقوں (صوبوں) میں علاقائی زبان کی حیثیت سے سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہیں۔ بنگال میں بنگلہ، مہاراشٹر میں مراٹھی، گجرات میں گجراتی، اڑیسہ میں اڑیا، آندھرا میں تلگو وغیرہ وغیرہ۔ اگر کسی صوبائی یا علاقائی اکثریتی سرکاری زبان کے علاوہ اس علاقے یا صوبے میں کوئی دوسری زبان بھی بڑی تعداد میں بولی، لکھی یا پڑھی جاتی ہے یا لسانی اقلیت کی مادری زبان ہے تو دستور کے مطابق اس زبان کو بھی علاقائی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ جیسے آندھرا میں تلگو کے بعد اردو کو دی گئی ہے۔ یہ علاقائی حیثیت سرکاری زبان ہی کی طرح ہے۔

۳۔ کئی ریاستوں کے تعلیمی شعبوں میں سہ لسانی فارمولے پر عمل ہو رہا ہے اس فارمولے میں ایک جدید علاقائی زبان کی بھی شرط ہے۔

۴۔ ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں نے علاقائی زبانوں میں تعلیم شروع کر دی ہے۔

مرکزی وزیر ریاست برائے تعلیم پروفیسر شیر سنگھ نے بمبئی میں ۲۳ ستمبر ۶۷ کو اخباری نمائندوں سے ایک ملاقات میں کہا کہ

"سہ لسانی فارمولہ تیار ہے اور پارلیمانی منظوری کا منتظر ہے۔ اصولی طور پر مرکز اور تمام ریاستوں کی حکومتوں اور تعلیمی اداروں نے تعلیمی پالیسی کے طور سہ لسانی فارمولہ تسلیم کر لیا ہے۔ ہندوستان کی ۲۵ یونیورسٹیوں میں علاقائی زبانوں میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے"

۵۔ دستور کی دفعہ ۳۴۵ اور ۳۴۷ میں زبانوں کے سلسلے میں جو کچھ درج ہے، ہر چند اس کے متن میں "سرکاری" زبان ہی کا لفظ آیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا مقصد سرکاری "علاقائی" زبان ہی سے ہے۔ اس لیے کہ یہ دفعات صوبوں کے لیے بنائی گئی ہیں اور صوبے علاقائی زبانوں کی بنیاد پر بنے ہیں۔ دفعہ ۳۴۵ میں ریاستی مجلس قانون ساز کے اپنے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم کرنے اور دفعہ ۳۴۷ میں صدر جمہوریہ کی طرف سے "لسانی اقلیتوں" کے سلسلے میں مداخلت کرنے کی بات ہے۔ ظاہر ہے یہ باتیں علاقائی حیثیت رکھنے والی زبانوں ہی سے تعلق رکھتی ہیں اور اس سے سرکاری تحفظ کا پہلو نکلتا ہے۔ "لسانی اقلیتوں" کے مطالبات اور تحفظ کے سلسلے میں اب تک جو سرکاری رپورٹیں آئی ہیں ان میں بھی اردو زبان کے لیے علاقائی طور پر سرکاری اور تعلیمی سہولتوں کی سفارشات کی گئی ہیں۔

"ہماری زبان" کے اداریوں کے دو اقتباسات اور پیش کیے جاتے ہیں۔

"انجمن ترقی اردو ہند کے ممبر تو سرکاری زبان کا مطالبہ کرتے ہیں۔ علاقائی زبان کا لفظ بہت دن سے استعمال میں نہیں آیا تھا۔ حال ہی لکھنؤ سے اردو ہندی کے ترقی پسند ادیبوں کے بیان میں یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ ہندی کے ادیبوں نے اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کی سختی سے مخالفت کی۔ ہمارے خیال میں یہ لفظ مجبوراً استعمال کیا گیا ہے۔ وہ علاقائی زبان کے لفظ کے اس لیے راضی ہو گئے کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ انھوں نے دستخط کرنے والے اردو ادیبوں سے یہ بھی منوا لیا کہ ہندی اترپردیش کی واحد سرکاری زبان ہے"

(ہماری زبان ۲۲ اکتوبر ۶۷ء)

"ہندی کے کچھ نادان دوستوں نے اردو کی مخالفت میں یہ شوشہ کھڑا کیا ہے کہ اردو والے ہندی سے برابری چاہتے ہیں اور ریاست کے سارے کاموں کے لیے ہر مرحلے اور ہر منزل پر ہندی کی طرح اردو کے استعمال کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ سراسر الزام ہے"

(ہماری زبان یکم ستمبر ۶۷ء)

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ فرقہ پرستی کی فضا میں "سرکاری زبان" کی اصطلاح سے اکثریتی فرقہ بھڑک گیا ہے اور وہ اس کا یہی مطلب نکالتا ہے کہ اردو ہندی زبان کے برابر آنا چاہتی ہے۔ یہ بات اترپردیش اور بہار کے بعض وزرا اپنے حالیہ بیانات میں کہہ چکے ہیں کہ "سرکاری زبان" کی اصطلاح بہت دشواریاں پیدا کر رہی ہے۔ ہم اردو کو سرکاری سطح پر بہت سی سہولتیں دینے کے لیے تیار ہیں لیکن اسے "دوسری سرکاری زبان" نہیں بنایا جا سکتا۔

ان حالات ہمیں یہ سوچنا ہے کہ محض اصطلاح کے

انتشار میں فائدہ ہے یا نقصان؟۔ اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے منوایا جائے یا علاقائی زبان کی حیثیت سے، ہم اردو والے اس کے لیے مکمل تحفظات اور تعلیم سے لے کر دوسرے ریاستی امور تک اس کے عام چلن کے بغیر کسی بھی ریاست میں مطمئن نہیں ہوں گے۔ انجمن ترقی اردو سے لے کر اردو محاذ، فسادِ دستہ اور اردو کمیٹی تک پورے ہندوستان میں ہر اردو دوست کا یہی جذبہ اور خیال ہے۔

لکھنؤ میں اردو ہندی ادیبوں نے جس بیان پر دستخط کیے تھے اس کے یہ جملے بھی قابلِ توجہ ہیں:

"جہاں تک اتر پردیش کا تعلق ہے ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندی کی طرح اردو بھی یہاں کی زبان ہے۔ اس لیے ہم اردو اور ہندی دونوں زبانوں کی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گے۔"

اس سے پہلے ہندی کے ادیب اور دانشور ہمارے مطالبے سے اتنے بھی قریب نہیں آئے تھے، جتنے اس مشترکہ بیان میں آئے۔ ہم آگے چل کر کسی زیادہ پُرخلوص، حقیقت پسندانہ اور غیر مشکوک مطالبے پر دوسری زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں کو اور زیادہ قریب لا سکتے ہیں۔ اردو کو سرکاری یا علاقائی زبان کی حیثیت سے منوانے کے سلسلے میں اس صراحت و تجزیہ کا مقصد اتنا ہی ہے کہ دانشورانِ اردو ان دونوں اصطلاحوں کے ہر قانونی، سیاسی، تعلیمی اور لسانی پہلو پر غور کر لیں۔ خواہ لفظ "سرکاری زبان" کے ساتھ اردو کا مطالبہ پیش کیا جائے یا "علاقائی زبان" کے ساتھ، بہرحال یہ متفقہ اور متحدہ ہونا چاہیے ورنہ بے اثر ہوگا۔

چونکہ اس وقت اردو کے مطالبات کے لیے ہمیں سیاسی جماعتوں اور ہندوستان کی دوسری بڑی زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں کو بھی ساتھ لینا ہے اور یہ کام آسان نہیں ہے، اس لیے حقائق کی بنیاد پر ہمارے مطالبات کم سے کم اور ٹھوس ہونے چاہئیں تاکہ رائے عامہ ہمارے ساتھ ہو سکے۔ اردو کا مسئلہ قطعاً سیاسی بن چکا ہے اور سیاسی نہج ہی پر ایک "مشترکہ مفاہمتی رویہ" سے اس کا حل نکل سکتا ہے۔ اردو کے ساتھ کی گئی شدید ناانصافیوں سے ہم اپنے جذبات کو تو نظر انداز نہیں کر سکتے لیکن متوازن رہ کر اس عظیم زبان کا حق ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ (انجم صدیقی)

غالب کا ایک شعر

میرے بزرگوں میں ایک سید عنایت حسین صاحب تھے۔ یہ ریاست بھوپال میں نواب شاہجہاں بیگم اور نواب صدیق حسن خاں کے زمانے میں ملازم تھے (م ۱۸۰۴ء)۔ پہلے ناظم رہے پھر صدر المہام یعنی سشن جج ہو گئے تھے۔ نواب صاحب مذکور سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ ان کی طبیعت کو شعر و شاعری سے بھی مناسبت تھی، صاحبِ تصنیف بھی رہے تھے۔ نواب صاحب کے بڑے بھائی سید احمد حسن صاحب عرشی (متوفی ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء) غالب کے شاگرد تھے۔ عنایت حسین صاحب مذکور نے ایک بیاض چھوڑی ہے جس میں دیگر کوائف کے علاوہ اپنی پسند کے اردو، فارسی اور ہندی اشعار بھی درج کیے ہیں۔ اس میں دو شعر ایک ہی زمین میں اور ایک ہی مضمون کے عرشی اور غالب کے بھی دئے ہیں۔ چونکہ غالب کا یہ شعر ان کے کسی دیوان میں نظر نہیں آیا اس لیے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

کہیں کچھ ہے دعا دو گالیوں کو
بنا لی بات باتوں میں دہن کی
(عرشی)

اگر ہوتا تو کیا ہوتا یہ کہیے
نہ ہونے پر ہیں یہ باتیں دہن کی
(غالب)

قیاس کہتا ہے کہ عرشی نے اپنا شعر غالب کو لکھ کر بھیجا ہوگا اسی مضمون پر انھوں نے بھی کہہ کر لکھ دیا ہوگا۔ بھوپال کے اس وقت کے ادبی حلقہ میں یہ دونوں شعر معروف ہو گئے ہوں گے اور سید صاحب نے اپنی بیاض میں لکھ لیے۔ (نورالحسن ہاشمی)

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو!

"ہماری زبان" (۸ نومبر ۱۹۶۷ء) میں اختر بستوی صاحب کا ایک مراسلہ شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے اس قطعے کے متعلق استفسار فرمایا ہے جو میر کے نام سے منسوب ہے یعنی:

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

آزاد نے آبِ حیات میں میر کے لکھنؤ پہنچ کر ایک سرائے میں ٹھہرنے، ایک مشاعرے میں شریک ہونے اور ایک غزل میں زیرِ بحث قطعہ فی البدیہہ کہہ کر داخل کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جب میر لکھنؤ پہنچے تو وہاں دلی کے اکثر شاعر موجود تھے۔ ان کا کسی ایسے مشاعرے میں شریک ہونا جہاں انھیں کوئی بھی نہ پہچانتا ہو، ناممکن نہیں تو عجیب سا ضرور لگتا ہے۔

آزاد کے مآخذ میں مجموعۂ نغز اور شمیم سخن کے علاوہ ایک ایسا تذکرہ بھی ہے جو ابھی تک شایع نہیں ہوا۔ یہ ہے "ناصر کا خوش معرکۂ زیبا"۔ اس میں بھی اس قطعے کا ذکر نہیں۔ نہ یہ میر کے کلیات میں شامل ہے۔ البتہ ایک قدیم بیاض (مکتوبہ ۱۲۱۷ھ) میں یہ قطعہ میر سے منسوب کیا گیا ہے۔ (بحوالہ نثار احمد فاروقی، دید و دریافت، ۳۲)

بابائے اردو کا یہ خیال کہ یہ قطعہ مصحفی کا ہے درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا آخری مصرع مصحفی کے ساتویں دیوان کی ۹۹ ویں غزل میں معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے۔

میں رہنے والا ہوں اسی اجڑے دیار کا

اس دیوان کے دو نسخوں کی نقلیں ہمارے پیش نظر ہیں۔

مخطوطہ بانکی پور جو مصحفی کی وفات کے تین سال بعد ۱۲۴۳ھ میں ان کے ایک عقیدت مند احمد علی خاں نے نقل کیا۔ دوسرا نسخہ لاہور پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں کلیات مصحفی کے نام سے ایک مخطوطہ ہے۔ اس میں دیوان ہفتم (بے ترتیبی کے ساتھ) شامل ہے۔ ان دونوں نسخوں میں یہ مصرع موجود ہے۔ اس غزل کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

کیا جانے حال کیا ہو دل بیقرار کا
اندیشہ رات دن ہے مرکوے یار کا
کچھ دیر ہے رہائی مرغ اسیر میں
جاوے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا
قسمت تو دیکھیو میں قفس سے رہا ہوا
جب باغ میں رہا نہ جھکنا ہزار کا
رہنے کا کچھ زمیں پہ نہیں غیر نام نیک
مٹ جائے گا نشاں بھی ہمارا مزار کا
دلی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی
میں رہنے والا ہوں اسی اجڑے دیار کا

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس دیوان کا زمانہ تصنیف متذکرہ بالا بیاض سے بہت بعد کا ہے۔ مصحفی کا چھٹا دیوان ۱۲۲۴ھ میں تکمیل کو پہنچا۔ ۱۲۴۰ھ میں ۸۰ سال سے کچھ کم عمر میں انھوں نے وفات پائی۔ اس عرصے میں دو دیوان مرتب ہوئے۔ آخری دیوان بہت مختصر ہے اور اس میں بہت کم مدت کا کلام شامل ہے۔

دیوان ہفتم میں مصحفی اپنی عمر کے متعلق کہتے ہیں۔

عمر نے جب منزل ہشتم میں رکھا ہو قدم
مصحفی کیا ہو سکے مجھ ناتوان و زار سے

اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دیوان ان کے آخری ایام کی یادگار ہے۔

اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زیر بحث قطعہ میر کا ہے اور مصحفی کے جس شعر کی طرف مولوی عبدالحق نے اشارہ کیا ہے وہ ان کے ساتویں دیوان میں شامل ہے۔　　(نورالحسن شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی)

(۱)

۸ر نومبر ۱۹۶۶ء کے ہماری زبان میں جناب اختر بستوی نے ایک ۸ اشعار میر کے مشہور قطعہ

"کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو"

کے عنوان سے شائع کرایا ہے۔

مولوی عبدالحق مرحوم اور مخدوم قاضی عبدالودود صاحب کا یہ خیال درست تھا کہ قطعہ مذکورہ میر کے کسی مطبوعہ یا قلمی دیوان میں نہیں ملتا، اور اس سے ملتا جلتا ایک قطعہ کلیات مصحفی میں موجود ہے لہذا اس کی میر سے نسبت درست نہیں تاوقتیکہ کوئی مستند آب حیات سے قدیم تر نہ مل جائے۔ مجھے انجمن محمدیہ آگرہ کے کتب خانے کی ایک قلمی بیاض مکتوبہ رجب ۱۲۰۶ھ میں یہ قطعہ جس شکل میں ملا ہے وہ میں اپنے مجموعہ مضامین "دید و دریافت" کے صفحہ ۲۰۲ پر نقل کر چکا ہوں۔

میری رائے میں یہ قطعہ میر ہی کی ملکیت ہے، اور آزاد والے قصے کو غلط محض نہیں کہا جا سکتا۔

(نثار احمد فاروقی دہلی کالج)

یہ غزل کس بحر اور کس وزن پر ہے؟

مندرجہ ذیل غزل ملک کے مشہور اور ہر دلعزیز شاعر حضرت نشور واحدی کی ہے۔ موصوف اپنی جدت طرازی اور اسلوب بیان کے تحت ادب میں ایک نمایاں اور بلند مقام رکھتے ہیں۔ غزل ملاحظہ ہو۔

میں ابھی سے کس طرح ان کو بے وفا کہوں
منزلوں کی بات ہے راستے میں کیا کہوں
اے حریص میکدہ خون زندگی نہ پی
تو شراب اگر پیے تجھ کو پارسا کہوں
حسن بے حجاب پر کوئی پردہ ڈال دو
تم اسے صنم کہو میں اسے خدا کہوں
غیر میرا حال غم پوچھتے رہے مگر
دوستوں کی بات ہے دشمنوں سے کیا کہوں

عروض داں حضرات سے گزارش ہے کہ وہ براہ کرم "ہماری زبان" کے ذریعہ یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ یہ غزل کس بحر اور کس وزن پر کہی گئی ہے۔　　(ثاقب صدیقی)

مرکزی سطح پر انگریزی کا استعمال جب تک ریاستیں چاہیں برقرار رہے گا

نئی دہلی۔ کابینہ نے سرکاری زبان ایکٹ میں مجوزہ ترمیم کے بل کے مسودہ کو منظور کر لیا جس کا مقصد ہندی کے علاوہ معاون زبان کی حیثیت سے انگریزی کے برقرار رکھے جانے کے سلسلے میں غیر ہندی علاقوں کے لوگوں کو پنڈت جواہر لال نہرو کی دی ہوئی یقین دہانی کو قانونی شکل دینا ہے۔ اس بل میں جس کی کابینہ نے توثیق کر دی کہا گیا ہے کہ انگریزی کا استعمال مرکزی سطح پر اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ملک کی تمام ریاستوں کی مجالس قانون ساز ہندی کو نظم و نسق کی واحد زبان کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر راضی نہ ہو جائیں جہاں تک ریاستوں کا تعلق ہے انھیں اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ اپنی علاقائی زبانوں یا ہندی میں نظم و نسق چلائیں۔ لیکن مرکزی حکومت سے جو ریاستیں خواہش ظاہر کریں گی کہ ان سے خط و کتابت میں انگریزی استعمال ہو ان سے انگریزی میں خط و کتابت ہوگی۔ (نئی آواز)

انجمن ترقی اردو دلی شہر کے وفد کی گورنر دہلی سے ملاقات

دہلی۔ انجمن ترقی اردو دلی شہر کے ایک نمائندہ وفد نے ۱۶ نومبر کو دلی کے لیفٹننٹ گورنر جناب اے۔ این جھا سے ملاقات کی اس وفد میں جناب خوشتر گرامی ایڈیٹر بیسویں صدی، جناب جگناداس اختر ایڈیٹر سویرا، جناب عزیز وارثی ایڈیٹر ندائے اتحاد، بیگم حمیدہ سلطان، بیگم تیمور جہاں اور بہار برنی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو دلی شہر شامل تھے۔ لیفٹننٹ گورنر نے میمورنڈم کے نکات کو بغور سنا بہار برنی جنرل سکریٹری انجمن ہذا نے لیفٹننٹ گورنر سے خاص طور پر درخواست کی کہ وہ دلی میں تعلیمی معاملات کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔ انجمن کوئی نیا مطالبہ پیش نہیں کر رہی ہے بلکہ اس میمورنڈم میں جو مطالبات پیش کئے گئے ہیں ان کا تعلق ان اردو اسکولوں کی ضروریات سے ہے کہ جو دلی کارپوریشن اور دلی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے چلائے جا رہے ہیں ایک اسکول جب کھول دیا گیا تو اس کی ضروریات بھی پوری کی جانی چاہئیں۔ لیفٹننٹ گورنر نے تمام باتوں کو دلچسپی سے سنا اور کہا میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ میں اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ انجمن ترقی اردو دلی شہر اس افسوسناک صورت حال کی طرف جناب والا کو توجہ دلانا چاہتی ہے جو کہ دلی میں کارپوریشن اور ایڈمنسٹریشن کے ان اسکولوں میں کہ جہاں اردو ذریعہ تعلیم ہے انجمن کی طرف سے ایک سروے کے نتیجہ میں سامنے آئی ہیں۔

زیادہ تر اسکولوں میں اردو اساتذہ کی کمی ہے مثال کے طور پر کوچہ چیلان میں واقع لڑکوں کے مڈل اسکول میں چار اردو ٹیچروں کی فوری ضرورت ہے ویسی ہی صورت حال مختلف علاقوں کے دوسرے اسکولوں میں موجود ہے ان میں ۱۸ ٹیچروں سے زیادہ کی فوری طور پر ضرورت ہے۔

اردو کتابیں تمام مضامین کی دستیاب نہیں ہوتیں مثال کے طور پر پرائمری اسکولوں کے لیے سماجی دگیان اب تک بچوں کو نہیں مل سکی حالانکہ نصف سے زیادہ تعلیمی سال ختم ہو رہا ہے۔ ہم محکمہ تعلیم کے ایک سرکلر کی طرف بھی آپ کو توجہ دلانا چاہتے ہیں جس میں اساتذہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ پرانی کتاب سے بچوں کو پڑھائیں کہ جو اب داخل نصاب نہیں ہے۔

کچھ ایسے اسکولوں میں جہاں ایسے ٹیچروں کا تقرر کر دیا گیا ہے کہ جو اردو نہیں پڑھا سکتے۔ مثلاً بوائز مڈل اسکول بلی ماران میں ایسے دو ٹیچر موجود ہیں۔ گورنمنٹ گرلز ہائر سکنڈری اسکول چشمہ بلڈنگ میں اردو نہ جاننے والی استانیوں کی تعداد ۵ ہے اور گورنمنٹ گرلز ہائر سکنڈری اسکول بلبلی خانہ کی ۴۴ استانیوں میں سے تقریباً ۲۲ اسی قسم کی ہیں۔ گورنمنٹ گرلز ہائر سکنڈری اسکول چشمہ بلڈنگ کی پہلی شفٹ اردو طالبات کے لیے تھی لیکن اب اس کو بتدریج ہندی میڈیم میں بدلا جا رہا ہے۔ اس اسکول میں جو کہ خاص طور سے اردو بولنے والی آبادی میں ہے بڑی تعداد میں طالبات کو داخلہ سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ ہم آپ کو گورنمنٹ گرلز ہائر سکنڈری اسکول بلبلی خانہ کی پرنسپل کے خلاف شکایات کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ جن پر یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ اردو طالبات کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں اور انھیں اردو ترک کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

جناب والا آپ خود محسوس فرمائیں گے کہ یہ اردو عوام کے ساتھ شدید امتیاز کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ مذکورہ بالا تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر انجمن مطالبہ کرتی ہے کہ

(۱) تمام اردو اسکولوں کی ضروریات کے مطابق اردو اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔

(۲) ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں اردو طلبہ کے لیے کورس مقرر کیا جائے۔

(۳) تمام مضامین میں نصاب کی اردو کتابوں کو مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ یہ انجمن اس سلسلہ میں تعاون کے لیے تیار ہے اور خاص طور پر کتابوں کی تیاری کے معاملہ میں انجمن سے امداد لی جا سکتی ہے

(۴) گورنمنٹ گرلز ہائر سکنڈری اسکول چشمہ بلڈنگ کی پہلی شفٹ محض اردو طالبات کے لیے مخصوص کی جائے۔

(۵) اسکولوں سے ایسے اساتذہ کا جو اردو نہیں پڑھا سکتے فوراً تبادلہ کر دیا جائے اور ان کی جگہ اہل اردو استاد رکھے جائیں

(۶) اردو اسکولوں کے لیے الگ سے ایک انسپکٹر اسکول مقرر کیا جائے جو اردو سے واقف ہو۔

(۷) گورنمنٹ گرلز ہائر سکنڈری اسکول چشمہ بلڈنگ اور بلبلی خانہ میں ایسی پرنسپل رکھی جائیں جو اردو سے واقف ہوں۔

(۸) کارپوریشن اور اڈمنسٹریشن کی سطح پر اردو مشاورتی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ اور انجمن کو ان میں نمائندگی دی جائے۔

انجمن کو یقین ہے کہ اس کے یہ تمام مطالبات جائز اور اردو اسکولوں کی ضرورت کے مطابق ہیں۔ اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ اطمینان بخش طور پر آپ انھیں منظور فرمائیں۔

(بہار برنی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو دلی)

صرف تامل مدراس کی سرکاری زبان ہوگی

چدامبرم مدراس کے وزیر اعلیٰ جناب سی۔ این۔ انادورائی نے اپنی حکومت کی اس پالیسی کا اعادہ کیا کہ تامل ہی ریاست کی سرکاری زبان بنائی جائے گی۔ اور انگریزی ایک رابطہ زبان کی حیثیت سے ہماری تمام ضرورتیں پوری کرتی رہے گی۔ اگر یہ بات جسے ہندی کے کٹر حامی بھی مانتے ہیں، عام طور سے تسلیم کی جاچکی ہے کہ انگریزی بین ریاستی و بین اقوامی رابطہ کی زبان کی حیثیت سے بخوبی انجام دے سکتی ہے، تو پھر ہندی کو رابطہ کی زبان بنانے کی اتنی وکالت کیوں کی جارہی ہے۔ وزیر اعلیٰ انادورائی نے انامَلی یونیورسٹی میں خطبہ تقسیم اسناد پڑھتے ہوئے مذکورہ بالا سوال کیا۔ انھوں نے آگے چل کر کہا کہ جو زبان ہمیں بیرونی دنیا سے جوڑ سکتی ہے، وہ یقیناً اندرون ملک بھی یہ خدمت انجام دینے کی بخوبی صلاحیت رکھتی ہے۔ (قائد)

انجمن ترقی اردو شاخ بھاگلپور کی ادبی نشست

بھاگلپور، جناب جمیل مظہری صاحب کے اعزاز میں ایک خصوصی نشست ایوانِ ارشاد خلیفہ باغ میں زیر صدارت جناب نواب ارشاد حسین صاحب زیدی (نائب صدر حلقہ ادب شاخ بھاگلپور) منعقد ہوئی۔ جس میں پروفیسر مظفر اقبال صاحب، جناب جمالی صاحب پھلواروی، جناب پروفیسر لطفت الرحمٰن صاحب، جناب شاغل قادری صاحب، جناب حکیم عبد الباقی صاحب حکیم پورنوی، جناب محی الدین صاحب مخفی، جناب عادل غازیپوری، جناب کریم اسعدی صاحب، جناب صمد حمیدی صاحب، جناب ڈاکٹر غیاث صاحب اثر، جناب ششر کمار صاحب اکمل، جناب نصیب صدیقی، جناب ہری پرشاد صاحب بیدل، جناب کامل صاحب، جناب واجد علی صاحب قمر، جناب تصدیق واشہر، جناب نسیم آروی، وغیرہ شعرا و ادبا کرام قابل ذکر ہیں۔

جناب قربان علی صاحب قدس بھاگلپوری کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج و الم کا اظہار کیا گیا اور تعزیتی تجویز بالاتفاق رائے منظور کی گئی یہ نشست جناب صدر کے شکریہ کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

(محمد شبیر احمد صابری معتمد حلقہ ادب شاخ بھاگلپور)

انجمن ترقی اردو (ہند) دلی کا انتخاب

۱۱ نومبر کی شام کو جنرل کونسل کی میٹنگ زیر صدارت پنڈت سندرلال صاحب منعقد ہوئی۔ مجلس عاملہ میں ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کے نائب صدر منتخب ہونے کی وجہ سے اور بہار برنی صاحب کے جوائنٹ سکریٹری نامزد کیے جانے کے باعث دو ممبران کی جو جگہیں خالی ہوئی تھیں ان کے لیے کشور باقر اور عزیز وارثی صاحب کو منتخب کیا گیا مرکز کے لیے بہار برنی صاحب تین سالی نمائندہ منتخب کیا گیا۔ اب دلی شاخ کے عہدیداروں کی اور مجلس عاملہ کی ترتیب یہ ہے۔

صدر:- پنڈت سندر لال صاحب
نائب صدر:- بیگم انیس قدوائی صاحبہ، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صاحب
جنرل سکریٹری:- بیگم حمیدہ سلطان احمد
جوائنٹ سکریٹری:- بہار برنی صاحب
اسسٹنٹ سکریٹری:- ظفر ادیب صاحب
خازن:- شیخ محمد ہارون جاپان والے
ممبران مجلس عاملہ:- مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب، خوشتر گرامی صاحب، مالک رام صاحب، قمر قرشوری صاحب، ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، عبد اللطیف اعظمی صاحب، کوثر چاندپوری صاحب، حکیم خلیل الرحمٰن نادر دہلوی، نذیر احمد وارثی صاحب، ڈاکٹر سعید انصاری صاحب، مسز کشور باقر صاحب، عزیز وارثی صاحب۔

(اسسٹنٹ سکریٹری)

انجمن ترقی اردو بنارس کے وفد کی گورنر یو۔پی کی خدمت میں میمورنڈم

انجمن ترقی اردو بنارس کا ایک وفد مشتمل بابو کرشن موہن صاحب اڈوکیٹ، جناب محمد مصطفیٰ خاں صاحب اڈوکیٹ، جناب عبد الرشید صاحب کارپوریٹر، جناب سید علی اکبر رضوی صاحب کارپوریٹر، جناب سید منیر نیازی صاحب اڈیٹر اخبار ہندوستان، جناب احسان الحق صاحب اڈیٹر اخبار آزاد، سید فرحت حسین صاحب سابق پروفیسر، بابو شیو ناتھ پرشاد، مولانا احمد مکرم اعظمی، محمد متقیم صاحب، محمد رفیع خاں صاحب، داتا رسول صاحب ہز ایکسلنسی جناب گورنر صاحب یو۔پی سے سرکٹ ہاؤس بنارس میں بتاریخ ۲ نومبر ۶۷ء بوقت پونے ایک دن ملا اور اردو سے متعلق شکایتیں اور دقتیں جو تعلیمی اداروں، دفاتر، عدالتوں، اور کچہریوں کے نہ انتخاب کرنے۔ نوٹس اشتہار فارم وغیرہ کے اردو میں نہ چھپنے۔ پندرہ فیصدی یا اس سے اوپر اردو آبادی کے مراعات نہ دینے کے متعلق، پبلک سروس کمیشن میں اردو میڈیم سے امتحان نہ دینے کے متعلق، و دیگر شکایات تفصیل سے پیش کیا۔ اور صاحب ممدوح سے کہا کہ جتنے احکامات سابق گورنمنٹ نے صادر کیے ہیں اگر ان پر صحیح معنوں میں عمل ہوتا تو آج اتنی بے چینی اردو والوں میں نہ ہوتی۔ پہلے ہندی اردو انگریزی تینوں زبانوں میں کام ہوتا تھا کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔

کوئی شکایت تھی اور یہ کہنا کہ دو زبانوں میں کام نہیں ہو سکتا اردو کے راستے میں روڑا اٹکانا ہے۔ آخر میں کہا گیا کہ اردو کو یو۔پی میں علاقائی دوسری سرکاری زبان کا اعلان کیا جانا ضروری ہے تاکہ جملہ شکایات کا سدباب ہو۔ اردو صوبے میں علاقائی وسرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ وہ دستور میں اور زبانوں کے ساتھ درج ہے جو اپنے اپنے صوبہ میں علاقائی وسرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہیں۔ نیز یہ کہ ۱۱ اکتوبر ۴۹ء کو جب ہندی اسٹیٹ کی زبان قرار پائی اس وقت اردو علاقائی وسرکاری زبان تھی اس کے علاقائی گزٹ کو SUPERCEDE نہیں کیا گیا اور اس کے چلن کی اجازت تابع احکام دے گی۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے لیے بیس لاکھ سے زائد دستخط عالی جناب صدر جمہوریہ سابق کی خدمت میں ۵۰۹ ممبران پارلیمنٹ، ۲۸۰ قانون سازوں کے دستخط اسی غرض کے لیے آنریبل وزیر اعظم کو دی گئی ہیں۔ عالیجناب فخر الدین علی احمد صاحب نے بھی اس کی سفارش کی ہے جن کو اس غرض کے دریافت کے لیے سپرد کیا گیا تھا اور موجودہ گورنمنٹ کے ۱۹ اور ۳۲ نکاتی پروگرام میں بھی درج ہے۔ صاحب ممدوح کو ایک میمورنڈم بھی دیا گیا۔ ہز ایکسیلنسی موصوف نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ نصف گھنٹہ تک وفد کی باتوں کو سنا اور جو دریافت فرمایا اس کا جواب دیا گیا۔ وفد نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر جناب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب اور اڈیشنل سٹی مجسٹریٹ صاحب بنارس کارپوریشن بھی تشریف رکھتے تھے۔

(دلدار رسول سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس)

انجمن ترقی اردو شاخ گرمٹکال کا ادبی جلسہ

انجمن ترقی اردو ہند، شاخ گرمٹکال ضلع گلبرگہ کے زیر اہتمام ایک ادبی محفل بتاریخ ۱۱ر نومبر ۷۶ء بمکان الحاج جناب وحید شیخ علی صاحب بوقت نو بجے شب زیر صدارت الحاج جناب محمد حسن اختر صدر انجمن منعقد کی گئی۔ ریاض احمد طالب علم نے علامہ اقبال کا "ترانۂ ہندی" سنایا۔ سابقہ جلسہ کی رپورٹ جناب محب کوثر نے سنائی۔ مہمان شاعر جناب حمید الماس کا مختصر مگر جامع تعارف جناب محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب نے کروایا۔ جناب حمید الماس نے "جدید اردو شاعری" پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ شاعری صرف تفریح کا مشغلہ نہیں بلکہ اس کے دامن میں خوشگوار روایتیں، حیات آفریں تحریکیں، ثقافت اور تمدن کی رعنائیاں اور ایک فنکار کے تجربات ملتے ہیں۔ آگے چل کر جناب حمید الماس صاحب نے فرمایا کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جدید شاعروں میں کوئی میر، غالب، اقبال اور کالیداس نہیں ہے مگر آنے والی نسلیں ہی اس کا فیصلہ کریں گی کہ ہم میں کون کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ شاعری میں آج کل نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔ تجربات جاری رہنے چاہیئں مگر ان میں ملک کی روایت کا لحاظ رکھا جائے۔ مہمان خصوصی جناب کشن راؤ صاحب جہپندر کر نے اپنی مختصر سی تقریر میں انجمن کے قیام کا خیر مقدم فرماتے ہوئے اپنے ممکنہ تعاون کا یقین دلایا۔ مہمان شاعر جناب حمید الماس نے کئی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ نظموں میں "چراغ اور زندگی" "شہر آرزو" "دیار غیر" "بانگ رحیل کا زوال" "آہنی نام کرناٹک" اور "منصوبہ بندی" بہت پسند کی گئیں۔ محمد حسین ضمیر، ایم ایس شاستری، محب کوثر کے علاوہ صدر محفل نے بھی اپنا کلام سنایا۔ صدارتی تقریر کے بعد جناب ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب، نائب صدر انجمن کے شکریہ پر اس کامیاب ادبی محفل کا اختتام عمل میں آیا۔

(محب کوثر شریک معتمد انجمن ترقی اردو شاخ گرمٹکال)

نوجیون ہائی اسکول میں مشاعرہ

کوکن کے جواں مرگ ترقی پسند شاعر پروفیسر داؤد غازی (مرحوم) کی چوتھی برسی پر ان کے وطن شیور (ضلع رتناگیری) میں نوجیون ہائی اسکول کے شعبۂ اردو فارسی کے زیر اہتمام ایک یادگار طرحی مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت قیصر رتناگیری (سابق مدیر ہفت روزہ "شمع کوکن" بمبئی) نے فرمائی اور اناؤنسنگ کے فرائض نوجوان افسانہ نگار نور پرکار نے انجام دئے۔ مشاعرہ کے شروع میں، اعجاز صدیقی (مدیر شاعر بمبئی) کا مشہور "ترانۂ اردو" پیش کیا گیا۔ پرنسپل اسماعیل دلوی نے صدر مشاعرہ اور مہمان شاعروں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بدیع الزماں خاور نے "داؤد غازی" کے عنوان سے اپنی ایک تازہ نظم کے علاوہ غازی کی اچانک موت سے متاثر ہو کر لکھی ہوئی باقر مہدی کی نظم "سوالوں کا سوال" سنائی۔ اور یعقوب راہی نے غازی کی شخصیت اور شاعری پر اپنا مقالہ پڑھا۔ مشاعرہ کے دو طرحی دور ہوئے جن کا آغاز غازی مرحوم کی غزلوں سے کیا گیا۔ اس مشاعرے میں کوکن کے متعدد معروف اردو شعراء شریک تھے۔

(عبداللہ قمر کھوت)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر بشیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا، پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا